II- ادبِ نبوی، معاشرتی احکام

مدنی، 18 آیات، 2 رکوع
26 پارہ 49 نمبر
حجرہ کی جمع حجرات
(نبی کریم کی رہائش گاہیں)

عظمتِ محمدیہ، آپ کا بے پایاں احترام، سنی سنائی بات پر اقدام سے گریز، اسلامی اُخوت، مسلمانوں میں لڑائی کی صورت میں صلح کرانا، مساواتِ انسانی

(الحجرات 49: 1-18)

ا۔ (الحجرات: آیت 1)

یٰاَیُّھَا	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تُقَدِّمُوْا	بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ
اے	جو لوگ	ایمان لائے	نہ	تم آگے بڑھو	سامنے اللہ کے

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو

وَرَسُوْلِهٖ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	اِنَّ	اللّٰهَ	سَمِیْعٌ	عَلِیْمٌ ۝
اور رسول اس کے	اور ڈرو اللہ سے	یقیناً	اللہ	سننے والا	جاننے والا

اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

تشریح: اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ ایمان کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھیں۔ ادبِ رسول کا تقاضا ہے کہ مومنین قول و فعل ہر اعتبار سے رسول اللہ کے تابع رہیں اور کسی معاملہ میں بھی تقدم یا پیش قدمی کا رویہ اختیار نہ کریں۔ زیرِ نظر آیت کے اہم تشریحی نکات درج ذیل ہیں:

شانِ نزول: یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ اس ضمن میں اہلِ تفسیر نے کئی واقعات نقل کیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عید الاضحیٰ کے دن بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے قربانی کر لی۔ اس پر یہ آیت اُتری اور انہیں حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں۔ یہ کہ بعض افراد نے رمضان سے قبل ہی روزے رکھنا

شروع کر دیے تھے، انہیں منع کیا گیا کہ وہ رسول اللہ سے تقدم کریں۔ ایسے ہی اس آیت کے نزول کے کئی اور وجوہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ وجہ نزول کوئی بھی ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہاں اہلِ ایمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تعظیم وتکریم کی اصولی ہدایت دی جا رہی ہے۔

آگے نہ بڑھنے سے کیا مراد ہے؟: اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا کوئی فعل وعمل ایسا نہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کے دائرے سے باہر ہو۔ ہر معاملے میں دیکھا جائے کہ اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم ہے۔ اگر حکم موجود ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اگر کہیں حکم موجود نہ ہو تو اللہ اور رسول کی تعلیمات وہدایات کے روشنی میں اجتہاد کیا جائے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا "معاملات کا فیصلہ کیسے کرو گے؟" حضرت معاذ نے عرض کیا: "سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کروں گا۔" آپ نے فرمایا: اگر وہاں بھی حکم نہ ملے تو؟ حضرت معاذ نے عرض کیا "پھر اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لوں گا۔" یہ سن کر حضور نے حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "اللہ کا شکر ہے جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اس کا رسول خوش ہے۔" گویا کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ اور رسول کا حکم موجود ہوتے ہوئے اس سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کرے۔ سورہ النسا میں ارشاد فرمایا: فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (النساء 65:4) "پس تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی نزاعات میں تمہیں حاکم تسلیم نہ کریں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے جی جان سے مان لیں۔" سورہ احزاب میں ارشاد ہوا: وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب 36:33) "کسی مومن مرد یا عورت کو حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کوئی اختیار باقی رہے۔" مفسرین کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھنے میں یہ سب چیزیں شامل ہیں کہ چلتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نہ چلا جائے۔ آپ کی مجلس میں آپ سے پہلے کسی امر کے بارے میں کوئی حکم نہ لگایا جائے۔ کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات نہ کہی جائے۔ کسی قول یا عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقت نہ کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کر رہے ہوں تو بیچ میں نہ بولا جائے۔ غرضیکہ ہر کام اس بات کا پورا اطمینان حاصل کر کے کیا

جائے کہ وہ حضور کی منشاء و مرضی کے خلاف تو نہیں یا اس میں کسی بھی طرح سے آپ کی نافرمانی یا ناراضی و ناپسندیدگی کا کوئی پہلو تو نہیں پایا جاتا۔

یہ تقدم کوئی معمولی غلطی نہیں: آیت کے آخر میں "اللہ سے ڈرو، بے شک وہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔" کے الفاظ اس حقیقت کو واشگاف کر رہے ہیں کہ اس تقدم اور آگے بڑھنے کو کہیں تم معمولی غلطی نہ سمجھ لینا۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ یہ جرم تمہاری دنیا و آخرت دونوں کو تباہ کر دینے والا ہے۔ چنانچہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھو کہ کہیں ہمارا کوئی قول و فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم کے زمرے میں تو نہیں آتا۔ جان رکھو کہ یہ حکم ایسی ذات دے رہی ہے، جس سے تمہارا کوئی قول یا فعل پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہارے ارادوں اور دلوں کے بھیدوں تک کو جانتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں کبھی بھی غیر محتاط رویہ مت اپنانا۔

۲۔ (الحجرات: آیت 2)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	تَرْفَعُوْٓا	اَصْوَاتَكُمْ
اے	جو	ایمان لائے	نہ	تم بلند کرو	آوازیں اپنی

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو

فَوْقَ	صَوْتِ	النَّبِيِّ	وَلَا	تَجْهَرُوْا	لَهٗ
اوپر	آواز	نبی [صلی اللہ علیہ وسلم]	اور نہ	تم اونچا بولو	لیے اس کے

اور ان کے حضور یوں چلّا کر نہ بولو جیسے آپس میں

بِالْقَوْلِ	كَجَهْرِ	بَعْضِكُمْ	لِبَعْضٍ	اَنْ	تَحْبَطَ
ساتھ بات	جیسا اونچا بولنا	بعض تمہارے	لیے بعض	کہ	ضائع ہو جائیں

ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں

اَعْمَالُكُمْ	وَاَنْتُمْ	لَا	تَشْعُرُوْنَ ۝
اعمال تمہارے	اور تم	نہیں	تم شعور رکھتے

اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

تشریح: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گفتگو اور کلام کے آداب تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں اہم نکات درج ذیل ہیں:

شانِ نزول: اس آیت کی شانِ نزول کے حوالے سے بھی کئی روایات منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک قبیلہ پر عامل کے تقرر کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے دو مختلف اشخاص کے نام تجویز کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس گفتگو کے دوران دونوں کی آواز ذرا بلند ہو گئی۔ اس پر یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو ادب سکھایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمہاری آواز آپ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ یہ کہ منافقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں بلند آواز سے بات کرتے۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض کمزور ایمان والے مسلمان بھی اونچی آواز میں بولتے۔ اس پر اس آیت کے ذریعہ اہلِ ایمان کو ایسا کرنے سے روکا گیا۔ شانِ نزول کے سلسلہ میں اسی طرح کی اور روایات بھی منقول ہیں۔ بہر حال اصل مقصود مومنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور آپ کی مجلس میں گفتگو کے آداب سکھانا ہے۔

عظمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم: اس آیت میں مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ تصور راسخ کیا جا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں کسی غلط فہمی میں اپنے جیسا عام انسان نہ سمجھ لینا کہ جیسے عام لوگوں سے بات کر لی ایسے ہی ان سے کر لی۔ یہ تو ان کی عظمت اور انتہائی بڑا پن ہے کہ وہ تمہارے درمیان کوئی امتیاز پسند نہیں کرتے، تمہاری اونچی نیچی آواز پر بھی تمہیں ملامت نہیں کرتے۔ تم میں ایسے ہی بسر کر رہے ہیں جیسے تمہی میں کا ایک عام فرد ہوں۔ لیکن یاد رکھو وہ درحقیقت اتنے عظیم ہیں کہ تم ان کی حقیقی عظمت کا ادراک تک نہیں کر سکتے۔ تم ان کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا ان سے گفتگو کرتے ہوئے یہ مت بھولو کہ تم ایک اپنے جیسے انسان سے نہیں اس دنیائے کائنات کے سب سے افضل آدمی سے محوِ کلام ہو۔ سبحان اللہ کیا خوب ادب سکھایا ہے ربِ کائنات نے اپنے محبوب کا۔ بلاشبہ دینِ اسلام ذاتِ محمدی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

صحابہ کا طرزِ عمل: صحابہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت انتہائی والہانہ تھی۔ وہ آپ کے اشارہ ابرو پر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتے۔ وہ آپ کی بے ادبی اور آپ کے عزت و احترام میں کسی کمی کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ جب بعض منافقین یا کمزور مسلمانوں یا نادانستگی میں بعض کبار صحابہ کی آواز سرورِ کائنات کے حضور بلند ہو جانے پر مذکورہ آیت اتری تو جانثار صحابہ سخت لرزاں و ترساں رہنے لگے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز ذرا اونچی تھی۔ یہ آیت سن کر وہ گھر بیٹھ گئے اور ہر وقت روتے رہتے۔ کئی دن کی غیر حاضری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں استفسار فرمایا

ایک صحابی صورت حال جاننے کے لیے ان کے گھر پہنچے۔ ان کے حال احوال پوچھنے پر حضرت ثابت پریشانی کے عالم میں گویا ہوئے: "میری آواز بلند ہے میں حضور کی مجلس میں اونچی آواز سے بولتا تھا، میرے اعمال ضائع ہو گئے۔ میں جہنمی ہو گیا۔" یہ صورت حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے انہیں بلا بھیجا اور بشارت دی کہ پریشان نہ ہوں وہ جنتی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور! میں تو آئندہ آپ سے سرگوشی میں بات کیا کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر دھیمی آواز سے بولنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بات دوبارہ پوچھنا پڑتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ایمان کو غارت کر دیتی ہے: حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام اور محبت ہی دین کی روح اور اسلام کا اصل الاصول ہے۔ بقول اقبال:

مغزِ قرآں روحِ ایماں جانِ دیں
ہست حبِّ رحمۃ للعالمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ.** "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنے والدین، اپنی اولاد اور تمام دنیا کے انسانوں سے بڑھ کر نہ چاہے۔" جس شخص کے دل میں دنیا ومافیہا سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو وہ آپ کی ذرا سی بے ادبی کا بھی تصور نہیں کر سکتا۔ آپ کی جناب میں جان بوجھ کر بے ادبی کرنے والے کے جہنمی ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ یہ دربار تو وہ ہے کہ یہاں بے دھیانی میں بھی کسی ناشائستہ حرکت پر ایمان کے لالے پڑ جانے چاہییں۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ادبِ نبوی ملحوظ رکھنے کے حوالے سے چند مزید نکات: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے حوالے سے یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ آپ کا انتہائی احترام، والہانہ عقیدت ومحبت اور معمولی سے معمولی بے ادبی سے مکمل احتراز ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ آپ کے ادب واحترام کے حوالے سے اہلِ ایمان کو غیر معمولی طور پر حساس ہونا چاہیے کہ یہ دیگر کسی بھی شخص کے ادب واحترام سے یکسر مختلف معاملہ ہے۔ بقول مولانا مودودی: "رسول پاک کے سوا کوئی شخص خواہ بجائے خود کتنا ہی قابل احترام ہو، بہر حال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کے ساتھ بے ادبی خدا کے ہاں اس سزا کی مستحق ہو جو حقیقت میں کفر کی سزا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ بدتمیزی ہے۔ خلافِ تہذیب حرکت ہے۔ مگر رسول اللہ کے احترام میں ذرا سی

کی بھی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو سکتی ہے۔'' وصالِ نبوی کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اسی طرح لازم ہے جس طرح وصال سے قبل تھا۔ روضۂ نبوی پر وہی آداب ملحوظ رکھنے چاہییں جو آپ کی مجلس کے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ مسجد نبوی میں دو اشخاص کو بلند آواز سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم کو معلوم بھی ہے تم کہاں کھڑے ہو؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جا رہی ہوں تو خاموشی سے سننی چاہییں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔

آپ کو اسم مبارک سے ''یا محمد [صلی اللہ علیہ وسلم]'' کہہ کر نہیں پکارنا چاہیے بلکہ تعظیم و توقیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''یا رسول اللہ''، ''یا حبیب اللہ''، ''یا نبی اللہ'' وغیرہ کہہ کر پکارنا چاہیے۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو ایسے ہی خوبصورت اور محبت بھرے القاب سے پکارا ہے ''یا ایھا النبی''، ''یا ایھا المدثر''، ''یا ایھا المزمل''، ''یسین''، ''طٰہٰ'' وغیرہ اور کہیں بھی آپ کے نام سے ''یا محمد [صلی اللہ علیہ وسلم]'' کہہ کر نہیں پکارا۔ اہلِ عشق تو پورے قرآن کو بلکہ سارے جہاں کو آپ کی نعت ہی کہتے ہیں ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

۳۔ (الحجرات: آیت 3)

اِنَّ	الَّذِیْنَ	یَغُضُّوْنَ	اَصْوَاتَھُمْ	عِنْدَ	رَسُوْلِ اللّٰہِ
بے شک	جو لوگ	پست رکھتے ہیں	آوازیں اپنی	نزدیک	رسول اللہ کے

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں

اُولٰٓئِکَ	الَّذِیْنَ	امْتَحَنَ	اللّٰہُ	قُلُوْبَھُمْ	لِلتَّقْوٰی
یہی وہ لوگ	جو	پرکھا	اللہ	دل ان کے	لیے تقویٰ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے

لَھُمْ	مَّغْفِرَۃٌ	وَّ	اَجْرٌ	عَظِیْمٌ ○
لیے ان کے	مغفرت	اور	ثواب	بڑا

لیے پرکھ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

تشریح: اس آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت بیان کی گئی ہے جنہوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باادب رہنے کی غرض سے اپنی آواز کو نہایت دھیما کر لیا تھا۔ اس آیت کی تشریح کے حوالے سے اہم نکات درج ذیل ہیں:

شانِ نزول: جیسا کہ اوپر والی آیت کی تشریح میں بیان ہوا کہ جب وہ آیت نازل ہوئی صحابہ کرام نے اس کا نہایت گہرا اثر لیا۔ حضرت ثابت بن قیس گھر بیٹھ رہے اور روتے رہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو مجلسِ اقدس میں بلایا اور جنت کی بشارت دی۔ حضرت ابوبکر نے کہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے انداز میں بات کروں گا۔ حضرت عمر اس قدر دھیما بولنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات دوبارہ پوچھنا پڑتی۔ صحابہ کی ادب و اطاعتِ رسول کی یہ ادا اللہ کو بہت پسند آئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ادبِ نبوی اور دلوں کا تقویٰ: صحابہ کرام کے دربارِ رسالت میں اپنی آوازوں کو بہت پست کر لینے اور انتہائی ادب و احترامِ نبوی کا رویہ اپنانے کا صلہ اللہ تعالیٰ یہ دیا کہ ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خاص کر لیا۔ درحقیقت وہی لوگ صاحبِ تقویٰ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام میں ذرا سی کوتاہی بھی نہیں کرتے۔ جس دل میں نبی کا ادب نہیں اس کے دل میں تقویٰ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا شخص اگر تقویٰ کا دعویٰ بھی کرے تو جھوٹا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صحابہ جو ادبِ نبوی میں مرے مٹے جاتے ہیں۔ یہ ایسے صاحبانِ تقویٰ ہیں کہ ان کو تقویٰ کے دعویٰ کی ضرورت نہیں۔ خود اللہ ان کے تقویٰ کی گواہی دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے دلوں میں ادبِ نبوی کو بٹھا لیا، اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر دیا۔ بے ادب کے دل میں تقویٰ نہیں آ سکتا اور باادب کے دل میں تقویٰ کے علاوہ کچھ نہیں آ سکتا۔ سچ ہے کہ:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

مغفرت اور اجرِ عظیم: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ جانثار اور سراپا ادب و احترام صحابہ مغفرت و بخشش اور اجرِ عظیم کے مستحق ہیں ان سے اگر نادانستگی میں کوئی چوک ہو گئی تو اللہ نے ادبِ نبوی کے صدقے ان کو معاف کر دیا اور صرف معاف ہی نہیں کیا اجرِ عظیم سے نواز دیا۔ اہلِ جہاں کے لیے ان الفاظِ خداوندی میں نہایت اہم سبق پوشیدہ نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ جس کو پسند ہو کہ اس کا دل تقویٰ سے بھر جائے اس کی خطائیں بخش دی جائیں اور وہ اجرِ عظیم کا مستحق قرار پائے تو وہ اپنے اوپر ادب و احترامِ نبوی کو لازم کر لے۔

۴۔ (الحجرات: آیات 4-5)

اِنَّ الَّذِیْنَ	یُنَادُوْنَکَ	مِنْ	وَّرَآءِ	الْحُجُرٰتِ	اَکْثَرُھُمْ
بے شک جو لوگ	پکارتے ہیں آپ کو	سے	پرے	حجروں	اکثر ان میں

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے

لَا یَعْقِلُوْنَ ○	وَلَوْ	اَنَّھُمْ	صَبَرُوْا	حَتّٰی
نہیں عقل رکھتے	اور اگر	کہ بلاشبہ وہ	صبر کرتے	یہاں تک کہ

ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ

تَخْرُجَ	اِلَیْھِمْ	لَکَانَ	خَیْرًا	لَّھُمْ
آپ نکلتے	طرف ان کی	البتہ تھا	بہتر	لیے ان کے

آپ ان کے پاس تشریف لے آتے تو (یہ) ان کے لیے بہتر ہوتا

وَاللّٰہُ	غَفُوْرٌ	رَّحِیْمٌ ○
اور اللہ	بخشنے والا	رحم کرنے والا

اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: ان آیات میں لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات کے آداب سکھائے گئے ہیں اور آپ کی جناب میں کسی بھی طرح کی بدتہذیبی سے روکا گیا ہے۔ ان آیات کی تشریح کے حوالے سے اہم نکات درج ذیل ہیں:

شانِ نزول: یہ آیات بنو تمیم کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آئے۔ ان لوگوں نے آپ کو آپ کے حجروں کے باہر سے آپ کا نام لے کر آوازیں دینا شروع کر دیں۔ آپ اس وقت آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ احساسِ تفاخر میں بھی مبتلا تھے۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے فخر سے کہا کہ ہمارا تعریف کرنا باعث عزت اور ہمارا مذمت کرنا باعث ذلت ہے۔ انہوں نے آپس میں کہا: محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے پاس چلتے ہیں اگر وہ نبی ہوئے تو ہم انہیں مان کر کامیاب ٹھہریں گے اور بادشاہ ہوئے تو بھی ان کے تحت مزے اڑائیں گے اور پھر آ کر کاشانہ اقدس کے باہر سے آپ کو آوازیں دینے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر کھڑے ہو کر یوں آوازیں دینا ظاہر ہے بدتہذیبی تھا۔ چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں اور انہیں ادب و شائستگی اور دربارِ نبوی میں حاضری کا

سلیقہ سکھایا گیا۔

گھر کے باہر سے آواز دے کر آپ سے ملاقات کی کوشش کم عقلی ہے: جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے کما حقہ آگاہ نہ تھے، غیر مہذب تھے، ابھی ابھی اسلام کی طرف آرہے تھے، گنوار اور بدو تھے اور قبائلی احساسِ برتری و تفاخر میں مبتلا تھے، وہ آپ کو ایک عام آدمی سمجھتے اور آپ سے ملاقات اور گفتگو میں عامیانہ سا رویہ اپنانے کی کوشش کرتے۔ حضور عظمت و بلندی کے اعلیٰ ترین انسانی مقام پر فائز ہونے کی بنا پر اس طرح کے رویے کو بھی برداشت کرتے اور کوئی شکایت تک نہ کرتے۔ بنو تمیم کے کچھ بدو لوگوں نے جب بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کو آپ کے حجروں کے باہر سے آوازیں دیں تو ان کی وحی کے ذریعے سرزنش کی گئی اور تمام مسلمانوں کو ایک اصولی ہدایت بھی دے دی گئی کہ وہ سب آپ کے آرام، آپ کی ذمہ داریوں اور غیر معمولی مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھیں اور کوئی بات یا کوئی کام ایسا نہ کریں جو آپ کے لیے کوفت و تکلیف کا باعث ہو۔ جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہی یہ اپنے تئیں کسی گھمنڈ میں مبتلا نہ ہوں۔ انہوں نے بڑی نادانی و کم عقلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ عقل کے ناخن لیں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات کا سلیقہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیا، نبی آخر الزمان اور اللہ کے محبوب ہیں۔ آپ سے شرفِ ملاقات کوئی معمولی سعادت نہیں، وہ لوگ اس دنیا کے خوش بخت ترین انسان ہیں جنہوں نے حالتِ ایمان میں آپ کو دیکھا اور آپ کے حضور باریابی کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ سے ملاقات کے لیے آنے والے آپ پر کوئی احسان کرنے نہیں آرہے، اپنی ہی دنیا و آخرت سنوارنے آرہے ہیں۔ سو اپنے ہی فائدے کے لیے ایسی عظیم ہستی سے ملنے کا طریقہ بڑا مودبانہ اور مہذبانہ ہونا چاہیے۔ لیکن ان لوگوں نے تو احمقانہ طریقہ اختیار کیا۔ انہیں چاہیے تھا کہ کاشانۂ نبوی کے باہر صبر سے انتظار کرتے حتیٰ کہ آپ خود تشریف لاتے اور انہیں ملاقات کا شرف بخشتے۔ تمام مسلمان ادبِ نبوی کو مکمل طور پر ملحوظ رکھیں اور آپ سے ملاقات کے لیے اس طرح کا جاہلانہ اور عامیانہ پن کبھی نہ اپنائیں۔

توبہ و استغفار: جن لوگوں نے جہالت و نادانی اور کم عقلی کے باعث یہ حرکت کی ہے وہ توبہ کریں اور معافی کے خواستگار ہوں۔ جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے غلط رویے کی اصلاح کر لیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے کہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

بڑوں کا ادب و احترام: مذکورہ آیات سے یہ تعلیم بھی نکلتی ہے کہ مراتب کا لحاظ کیا جائے اور بڑوں کے

ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ محترم شخصیات کے آرام کا خیال رکھا جائے۔ ان کو وقت بے وقت تنگ نہ کیا جائے۔ انہیں دور سے آوازیں دے کر اور اس انداز سے نام لے کر نہ پکارا جائے جو ان کے مقام ومرتبے اور عزت واحترام سے فروتر ہو۔

۵۔ (الحجرات: آیت 6)

يٰاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِنْ	جَآءَكُمْ	فَاسِقٌۢ
اے	جو	ایمان لائے	اگر	آیا تمہارے پاس	گنہگار

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے

بِنَبَاٍ	فَتَبَيَّنُوْٓا	اَنْ	تُصِيْبُوْا	قَوْمًاۢ
ساتھ خبر	تو تحقیق کرلو	کہ	تم تکلیف پہنچاؤ	کوئی قوم

تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم لاعلمی میں کسی

بِجَهَالَةٍ	فَتُصْبِحُوْا	عَلٰى	مَا	فَعَلْتُمْ	نٰدِمِيْنَ۝
ساتھ جہالت	پس تم ہوجاؤ	اوپر	جو	کیا تم نے	پشیمان

قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو پھر تم اپنے کیے پر پچھتاؤ۔ العجلۃ من الشیطان

جلدی شیطان کی طرف سے ہے

حدیث

تشریح: اس آیت میں کسی فاسق وگنہگار کی لائی ہوئی خبر کو بلا تحقیق مان لینے سے منع کیا جارہا ہے تاکہ بعد میں ندامت اور شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات درج ذیل ہیں:

شانِ نزول: مفسرین کے مطابق یہ آیت ولید بن عُقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کی طرف زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کی بنی مصطلق سے پرانی عداوت تھی۔ انہوں نے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے۔ نہ صرف وہ زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں بلکہ میرے قتل کے بھی درپے ہوگئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کی سربراہی میں ایک دستہ روانہ کیا اور ہدایت کی کہ کوئی کاروائی کرنے سے پہلے خوب تحقیق کرلیں۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ وہ لوگ مرتد نہیں ہوئے بلکہ مسلمان ہیں اور زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بعض روایات کے مطابق قبیلہ بنی مصطلق کے رئیس حضرت حارث بن ضرار، جو ام المومنین حضرت جویریہ کے والد تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے دستے کو راستے ہی میں مل گئے۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے تو ولید کو دیکھا بھی نہیں

بلکہ اس اندیشے سے مال زکوٰۃ لے کر خود حاضر ہو رہے ہیں کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض نہ ہو گئے ہوں، جو کوئی قاصد ہم تک نہیں بھیجا۔

بلا تحقیق اقدام سے احتراز: اس آیت میں مسلمانوں کو یہ اصولی اور عام ہدایت دی جا رہی ہے کہ کسی گنہگار، فاسق اور ناقابلِ اعتماد شخص کی خبر پر آنکھیں بند کر کے یقین نہ کر لیا کرو بلکہ خوب چھان بین کر لیا کرو کہ وہ خبر صحیح بھی ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک غلط خبر پر یقین کر کے کسی گروہ یا قوم کو نقصان پہنچا بیٹھو اور بعد میں جب اصل صورتِ حال کا پتہ چلے تو ندامت اور شرمندگی اٹھانا پڑے۔

معاملات میں بالغ نظری اور دور اندیشی اپنانا: ایک اچھا مومن بالغ نظر اور دور اندیش ہوتا ہے۔ وہ کانوں کا کچا اور لائی لگ نہیں ہوتا کہ جو بات کسی نے کہی اس پر بلا سوچے سمجھے جلد بازی میں قدم اٹھا لیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اس وصف کو اپنے انفرادی اور قومی وجود کی اہم شناخت بنا لیں کہ کوئی شخص ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص غلط بیانی سے ان کو کسی کے بارے میں بدگمان نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص افواہیں پھیلا کر ان کی سنجیدہ اور پروقار شخصیت اور معاشرت کو کسی ہیجان میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ مومن بہت دور تک دیکھتا ہے۔ وہ بصیرت و فراست کا مالک ہوتا ہے، لہٰذا مومنین کے شایانِ شان یہ ہے کہ ان کا رویہ ہر معاملے میں سنجیدہ اور معروضی و تحقیقی ہو اور کبھی بھی دور اندیشی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

تحقیق و تفتیش کا زرّیں اصول: اسلام نے تحقیق و تفتیش اور معاملات کی گہرائی اور تہہ تک پہنچنے کی کوشش کا زریں اصول اس زمانے میں متعارف کرایا اور اس پر عمل کرنے پر زور دیا جب علم و معلومات کا رنگ اکثر و بیشتر افسانوی تھا۔ مسلمانوں نے یہ زریں اصول اپنایا اور نہ صرف حدیث و سیرت اور فقہ و تاریخ وغیرہ اسلامی علوم میں نہایت اعلیٰ اور معیاری تحقیقی کام کیا بلکہ طب، ریاضی، کیمیا، فزکس، نباتات، حیوانات وغیرہ سائنسی علوم کی ترقی میں بھی خوب خوب کردار ادا کیا۔ آج تمام دنیا میں اس اصول کو رہنما بنا لیا گیا ہے اور انسان سائنسی و انسانی وغیرہ تمام علوم میں اس اصول کے تحت خوب سے خوب تر کی طرف محوِ سفر ہے۔

۶۔ (الحجرات: آیات 7-8)

وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	فِيْكُمْ	رَسُوْلَ	اللّٰهِ	لَوْ	يُطِيْعُكُمْ
اور جان لو	کہ	تم میں	رسول	اللہ	اگر	وہ کہا مانیں تمہارا

اور جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔ اگر وہ بہت

فِیْ کَثِیْرٍ	مِّنَ	الْاَمْرِ	لَعَنِتُّمْ	وَلٰکِنَّ	اللّٰہَ	حَبَّبَ
میں بہت	سے	امر	ضرور مشقت میں پڑو تم	اور لیکن	اللہ	پیارا کردیا

سے معاملات میں تمہاری بات مان لیں، تو تم مشقت میں پڑ جاؤ

اِلَیْکُمُ	الْاِیْمَانَ	وَزَیَّنَهٗ	فِیْ	قُلُوْبِکُمْ
طرف تمہاری	ایمان	اور زینت دی اسے	میں	دلوں تمہارے

لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنادیا ہے

وَکَرَّہَ	اِلَیْکُمُ	الْکُفْرَ	وَالْفُسُوْقَ	وَالْعِصْیَانَ
اور ناگوار کردیا	طرف تمہاری	کفر	اور گناہ	اور نافرمانی

اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور تمہارے لیے کفر، فسق اور نافرمانی کو ناگوار

اُولٰٓئِکَ	هُمُ	الرّٰشِدُوْنَ o	فَضْلًا	مِّنَ اللّٰہِ	وَنِعْمَةً
یہی لوگ	وہ	راہ پانے والے	فضل	سے اللہ	اور نعمت

بنادیا ہے۔ یہی لوگ راہ پر ہیں، اللہ کے فضل اور نعمت کے بموجب۔

وَاللّٰہُ	عَلِیْمٌ	حَکِیْمٌ o
اور اللہ	علم والا	حکمت والا

اور اللہ تعالیٰ علم والا، حکمت والا ہے۔

تشریح: ان آیات میں مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اپنی بات منوانے پر اصرار نہ کیا کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانیں۔ وہ ان کی بھلائی اور بہتری کو خود ان سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں۔ مومنین پر اللہ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ایمان کو ان کا محبوب بنادیا ہے اور کفر وفسق سے ان کو متنفر کردیا ہے۔ ان آیات کے اہم تشریحی نکات درج ذیل ہیں:

مومن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رائے مسلط نہ کریں: مسلمانوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رائے مسلط نہ کریں۔ انہیں اس امر کو ہمیشہ پیشِ نگاہ رکھنا چاہیے کہ ان میں اللہ کے رسول موجود ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی بصیرت اور نورِ نبوت سے نوازا ہے۔ وہ مومنین کے معاملات اور مصالح کو خوب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مومنین کو چاہیے کہ وہ ان سے اپنی بات منوانے کی بجائے ان کی بات مانیں کہ ان کی دنیا وآخرت کی بھلائی اسی میں ہے۔ اس آیت کے سلسلہ میں اوپر والی آیت یعنی

آیت نمبر 6 کا شانِ نزول ذہن میں رہنا چاہیے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ جب ولید بن عقبہ نے بنی مصطلق کے بارے میں یہ اطلاع دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور وہ مجھے قتل کرنے کے درپے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف فوجی اقدام کرنے سے گریزاں تھے مگر بعض اہلِ ایمان حمیتِ دینی کے جذبے کے تحت ان پر چڑھائی پر اصرار کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حکمت و مصلحت سے کام لیتے ہوئے ایک دستہ روانہ کیا اور اسے سخت تاکید کی کہ وہ اچھی طرح تحقیق کے بغیر کوئی اقدام نہ کرے۔ بعد کے واقعات نے، جن کی تفصیل اوپر والی آیت کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے، ثابت کر دیا کہ اگر مشتعل مسلمانوں کی بات مان لی جاتی تو مسلمان بنی مصطلق پر زیادتی کے مرتکب ہوتے مگر حضور کے مبنی بر حکمت و مصلحت فیصلہ نے ان کو ایک بہت بڑے نقصان سے بچا لیا۔ چنانچہ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اللہ کے نبی نورِ نبوت سے دیکھتے ہیں، انہیں چاہیے کہ ان کی اپنے درمیان موجودگی کو اللہ کی نعمتِ بے بہا سمجھتے ہوئے اپنے معاملات کو ان کے سپرد کر دیں۔ اگر اس کے برعکس وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا فیصلہ مسلط کریں اور اس بات کے خواہش مند ہوں کہ آپ انہی کی رائے کے مطابق فیصلہ کریں اور پھر آپ ان کی رائے کے مطابق فیصلہ کر دیں تو وہ سخت مشکل اور مصیبت میں پڑ جائیں، سو اپنے آپ کو مصائب اور غلطیوں سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون و چرا اطاعت کریں۔

ایمان کی محبت: یہ تنبیہ کرنے کے بعد کہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی رائے پر اصرار کی روش اختیار نہیں کرنی چاہیے، صحابہ کرام کے ایمان کی شہادت دی جا رہی ہے اور اس حقیقت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے ایمان کو محبوب و دل پسند اور کفر و فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ چیز بنا دیا ہے۔ جن لوگوں نے بنو مصطلق پر چڑھائی کی رائے پر اصرار کی غلطی کا ارتکاب کیا تھا، اس میں بھی اگرچہ کوئی ذاتی اور دنیوی غرض شامل نہ تھی اور یہ رائے انہوں نے اس جذبے سے مغلوب ہو کر دی تھی کہ ان کے نزدیک یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی کہ کوئی گروہ ایمان کا دعویدار ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرے اور آپ کے فرستادہ کے درپے آزار ہو۔ یوں ایک لحاظ سے تو یہ بھی صحتِ ایمان کی علامت تھی، تاہم ایمان والوں کو جوش کو ہوش پر غالب نہیں آنے دینا چاہیے۔ لہٰذا جن لوگوں سے یہ غلطی ہوئی ہے وہ آئندہ محتاط ہو جائیں اور اطاعت و فرمانبرداری کی وہ روش اختیار کریں جو جماعتِ صحابہ کی عمومی روش اور پہچان ہے کہ وہ کبھی بھی اس قسم کی جسارت کے مرتکب نہیں ہوتی اور ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کو ایمان کا لازمی تقاضا سمجھتی ہے۔

محبت ایمان اللہ کا خصوصی فضل ہے: ایمان کی محبت اور کفر و فسق اور نافرمانی سے نفرت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ ہر کس و ناکس کو عطا نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ اس نے ان کو یہ نعمتِ عظمیٰ عنایت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ اپنے اس خصوصی فضل سے کس کو نوازنا ہے اور اس کی حکمت کیا ہے؟ بندگانِ خدا کو تو یہی سزاوار ہے کہ وہ اپنے اوپر اللہ کے فضل کا جس قدر ہو سکے شکریہ ادا کریں اور اپنی ہر خواہش کو اس کے حکم کے تابع کر دیں۔

۷۔ (الحجرات: آیت 9) معاشرتی آداب

وَ	اِنْ	طَآئِفَتٰنِ	مِنَ	الْمُؤْمِنِيْنَ	اقْتَتَلُوْا
اور	اگر	دو گروہ	سے	مومنین	آپس میں لڑ پڑے

اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔

فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا	فَاِنْ	بَغَتْ	اِحْدٰىهُمَا
تو صلح کرا دو	درمیان ان دونوں کے	پھر اگر	زیادتی کی	ایک ان دو میں سے

پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے

عَلَى	الْاُخْرٰى	فَقَاتِلُوا	الَّتِيْ	تَبْغِيْ	حَتّٰى	تَفِيْٓءَ
اوپر	دوسرا	تو لڑو	جو	زیادتی کرتا ہے	یہاں تک کہ	لوٹ آئے

سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ لوٹ

اِلٰٓى	اَمْرِ	اللّٰهِ	فَاِنْ	فَآءَتْ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَهُمَا
طرف	حکم	اللہ کے	پھر اگر	وہ لوٹ آئے	تو صلح کرا دو	درمیان ان دو کے

آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کرو۔

بِالْعَدْلِ	وَاَقْسِطُوْا	اِنَّ	اللّٰهَ	يُحِبُّ	الْمُقْسِطِيْنَ ۝
ساتھ عدل کے	اور انصاف کرو	بے شک	اللہ	محبت رکھتا ہے	انصاف کرنے والے

یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں اہل ایمان کو تاکید کی جا رہی ہے کہ اگر ان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کو چاہیے کہ وہ ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دیں۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات درج ذیل ہیں:

مسلمانوں کے باہم لڑ پڑنے کا امکان: اسلام مسلمانوں کو باہم اتحاد و اتفاق سے رہنے اور خلوص و محبت کا رویہ اپنانے کا درس دیتا ہے۔ وہ ان کے باہمی لڑائی جھگڑوں اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھانے کو سخت ناپسند کرتا اور اس سے احتراز کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام اور مسلمان تو نام ہی سلامتی کا ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا عمومی رویہ لڑنے جھگڑنے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کہیں مسلمانوں کا عمومی رویہ یہ نہ ہو تو ان کو اپنے اسلام کی خبر لینی چاہیے۔ آیت مبارکہ میں ''آپس میں لڑ پڑیں'' کے الفاظ اس حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ عام طور پر تو مسلمانوں کا شیوہ یہ نہیں یا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ آپس میں لڑا کریں۔ البتہ معاشرتی زندگی میں اس امکان کو کلی طور پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے دو گروہ کسی بنا پر باہم لڑ پڑیں۔ یہ الفاظ ان مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں جو باہمی نفرتوں اور کدورتوں کو اپنا معمول بنانے اور فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار رہنے والے ہیں اور ان میں باہمی اختلاف یا جھگڑا کوئی وقتی یا ہنگامی نہیں بلکہ ایک مستقل لڑائی جھگڑے کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

لڑ پڑنے والے گروہوں میں صلح کی تلقین: اگر دو مسلمان گروہ باہم لڑ پڑیں تو بقیہ مسلمانوں کو بیٹھ کر ان کا تماشا نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مسلمان ایک دوسرے کے انتہائی خیر خواہ ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' ایک سچا مسلمان مسلمانوں کو باہم برسرِ پیکار دیکھ کر لازماً رنجیدہ اور پریشان ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ لڑ پڑنے والے مسلمانوں کو معاملات کی اصلاح کے لیے کوئی دقیقہ فردا گزاشت نہ کریں۔ انہیں سمجھا بجھا کر، دین کے تقاضوں کی طرف متوجہ کر کے اور اللہ اور رسول کی نافرمانی کے نتائج سے ڈرا کر جیسے بھی ممکن ہو باہمی اختلافات کو ختم کر کے صلح و آشتی پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔

ظالم کے خلاف جنگ: اگر برسرِ پیکار گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر ظلم و زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ظالم کے خلاف لڑیں۔ باہمی لڑائی میں ظالم کے خلاف جنگ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ بعض علما اسے جہاد سے بھی افضل قرار دیتے ہیں۔ (روح المعانی) اسلام کے نقطہ نظر سے ظالم کے خلاف جنگ صرف مظلوم ہی کی مدد نہیں ہے بلکہ ظالم کی بھی مدد ہے۔ اس لیے کہ ظلم و زیادتی کرنے والے دوسرے کے ساتھ ساتھ خود اپنے اوپر بھی ظلم کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے فعل سے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کر رہا ہے۔ چنانچہ اسے ظلم سے روکنا خود اس کی بھی مدد اور خیر خواہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں اسی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ سوال کیا گیا کہ مظلوم کی مدد تو ہوئی، ظالم کی مدد کیسے ہوگی! فرمایا:

ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ ظلم سے روک دیا جائے۔

زیادتی کرنے والا لوٹ آئے تو دونوں میں صلح کرانا: زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کا مقصود اس سے انتقام لینا یا الٹا اس پر زیادتی کرنا نہیں بلکہ اسے حکمِ خداوندی کی طرف آنے پر مجبور کرنا ہے۔ سو اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو اس کے خلاف لڑائی سے ہاتھ روک لیا جائے اور دونوں میں صلح کرادی جائے کہ اصل مقصد لڑائی اور جنگ نہیں مسلم معاشرے کو ظلم و زیادتی اور فساد سے بچانا اور ایسی سوسائٹی تشکیل دینا ہے جس میں لوگ امن و چین کے ساتھ کتاب و سنت کی ہدایات کے مطابق زندگی گزاریں۔

صلح میں عدل کو ملحوظ رکھنا: اسلام ہر معاملہ میں عدل کا حکم دیتا ہے۔ دو متحارب مسلم گروہوں میں صلح کے معاملہ میں بھی عدل سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگر صلح میں عدل کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو وہ مطلوب حاصل نہ ہوگا جو صلح سے مقصود ہے۔ مثلاً صلح تو کرادی گئی مگر ایک گروہ کو دبا کر صلح پر آمادہ کیا گیا اور ایک گروہ کے ساتھ بے جا رعایت برتی گئی تو یہ صلح دیرپا نہ ہوگی۔ کیونکہ جس کا حق دبایا گیا ہوگا وہ انتقام کی آگ میں جلتا رہے گا اور جس کی بے جا رعایت کی گئی ہوگی اس کی اس سلسلہ میں مزید ہمت افزائی ہوگی۔ یوں خرابی اور فساد کی جڑ موجود رہے گی۔ چنانچہ اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ محض صلح نہیں بلکہ عدل کے ساتھ صلح کرائیں تاکہ کسی کو کسی کے خلاف شکایت باقی نہ رہے اور لڑائی کے وجوہ و اسباب کا خاتمہ ہو جائے۔

باغیوں سے لڑائی سے متعلق اسلامی تعلیمات: باغیوں کے ساتھ لڑائی غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی اور جنگ سے مختلف ہے۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے زخموں پر ہاتھ نہ ڈالا جائے۔ ان کے قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے اور ان کا مال غنیمت کے طور پر تقسیم نہ کیا جائے۔ فقہا کے مطابق کوئی گروہ اگر حکومت کے خلاف باغیانہ اور معاندانہ خیالات کا اظہار کرے مگر مسلح بغاوت نہ کرے اور خوں ریزی میں پہل نہ کرے تو اس کے خلاف جنگ نہیں لڑی جائے گی۔ باغیوں کے اگر کچھ تحفظات ہوں تو ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ بغاوت کی طرف مائل نہ ہوں اور قومی دھارے میں شامل ہو جائیں۔ تاہم اگر وہ تلوار اٹھا لیں تو ان کے خلاف لڑا جائے مگر صرف اس وقت جب تک وہ ہتھیار نہ پھینک دیں۔ جب وہ ہتھیار پھینک دیں تو ان میں اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق روا نہ رکھا جائے۔

۸۔ (الحجرات: آیت 10)

اِنَّمَا	الْمُؤْمِنُوْنَ	اِخْوَةٌ	فَاَصْلِحُوْا	بَيْنَ	اَخَوَيْكُمْ
بے شک	اہلِ ایمان	بھائی	پس صلح کرادو	درمیان	دو بھائی تمہارے

بے شک اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو

وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	لَعَلَّكُمْ	تُرْحَمُوْنَ ○
اور ڈرو	اللہ سے	تاکہ تم	تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تشریح: اس آیت میں اہلِ ایمان کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے اور بے حسی سے احتراز کرنے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے مسلمان بھائیوں میں صلح کرانے کی دوبارہ تاکید کی گئی ہے۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات حسب ذیل ہیں:

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں: دینِ اسلام اہلِ ایمان کو اخوت و بھائی چارے کے رشتے میں منسلک کرتا ہے۔ یہ رشتہ نہایت گہرا اور پائیدار ہے۔ یہاں تک کہ نسبی اور خونی رشتے بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔ جونہی کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، اس کے دینی بھائی بہن اس کے غیر مسلم حقیقی بھائی بہنوں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح ہو جاتے ہیں۔ غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر اپنے بیٹے کے خلاف برسرِ جنگ تھے۔ بعد میں کسی وقت بیٹے نے باپ سے کہا کہ جنگ بدر میں آپ کئی دفعہ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے باپ کے رشتہ کا لحاظ کرتے ہوئے چھوڑ دیا مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹا تم اگر میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں بالکل معاف نہ کرتا۔ انصارِ مدینہ نے اپنے مہاجر مسلمان بھائیوں سے حقیقی بھائیوں سے کہیں بڑھ کر سلوک کیا۔ تاریخِ اسلام اسلامی بھائی چارے کی غیر معمولی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ کوئی بھی دوسرا مذہب اپنے ماننے والوں کے بھائی چارے کی ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

بھائی بھائی بنے رہنے کی تلقین: مسلمانوں کا بھائی بھائی ہونا جہاں ایک طرف مسلمانوں کے باہمی بھائی چارے کا بیان ہے وہاں اس کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ تلقین بھی کی گئی ہے کہ وہ بھائی بھائی بنے رہیں اور ایسی چیزوں کو درمیان میں نہ آنے دیں جو ان کے رشتۂ اخوت میں دراڑیں ڈالنے اور اسے پارہ پارہ کرنے کا سبب بنیں۔ اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی متعدد

ارشادات منقول ہیں۔ چند ارشادات درج ذیل ہیں:

- مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس پر ظلم کرتا ہے، اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تذلیل کرتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ گناہ ہی بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو کم تر سمجھے۔ (مسند احمد)
- مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ (بخاری)
- تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری)

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو، اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرو۔ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔

الغرض اسلامی بھائی چارے کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو ہر اس عمل سے بچنے کی تلقین کی ہے جو مسلمانوں میں باہم نفرت اور دوری کا سبب بنے اور ہر اس عمل کو اپنانے پر زور دیا ہے جو ان کو ایک دوسرے کے قریب کرے۔

اخوت کا ثمر: قوت و اتحادِ امت: اخوت کے نتیجہ میں مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے اور یہ اتحاد و اتفاق ان کی قوت و طاقت کا ذریعہ بنتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مومنین کی آپس کی مثال ایک عمارت کی سی ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے، پھر آپ نے اہل اسلام کے اتحاد و اتفاق کی وضاحت کے لیے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں کہ یوں مسلمان ایک دوسرے کے لیے طاقت اور مضبوطی کا سبب بنتے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: ''تم مسلمانوں کو آپس میں محبت اور رحمت و شفقت میں یوں پاؤ گے جیسے ایک جسم کہ اس کے ایک عضو میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (بخاری مسلم) چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلامی رشتۂ اخوت کو مضبوط رکھنے کا خصوصی خیال رکھیں۔ آپس میں نفرتیں، کدورتیں اور لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہونے دیں۔ اگر مسلمانوں میں کہیں کوئی لڑائی جھگڑا ہو بھی جائے تو ان کی آپس میں صلح کرا دیں۔ کوئی مسلمان کہیں بھی ہو اس کی تکلیف کو تمام مسلمان اپنی تکلیف سمجھیں۔ بقول شاعر:

اخوت اس کو کہتے ہیں، چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

باہمی اخوت کو برقرار رکھنا رحمتِ الٰہی کا موجب ہے: زیرِ تشریح آیت میں مسلمانوں کی باہمی اخوت کا ذکر کرنے اور لڑ پڑنے والے مسلمان بھائیوں میں صلح کی تلقین کے بعد اللہ کے تقوی اور اس

کے رحم کی امید کا ذکر ہے، گویا جو مسلمان مسلمانوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش نہ کریں، وہ تقویٰ کے منافی کام کرتے اور رحمت الٰہی سے دور ہو جاتے ہیں۔ لڑنے والوں میں باہم صلح کرانا رحم و کرم کی علامت ہے اور حدیثِ نبوی کی رو سے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے، جو دوسروں پر رحم کرتا ہے۔ لہٰذا رشتۂ اخوت کو قائم رکھنے والے اور اسے مضبوط بنانے والے اور مسلمان بھائیوں میں صلح کرانے والے لوگ ہی متقی ہیں اور یہی رحمتِ الٰہی کے سزاوار ہیں۔

۹۔ (الحجرات: آیت 11)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا	يَسْخَرْ	قَوْمٌ	مِّنْ
اے	جو	ایمان لائے	نہ	مذاق اڑائے	ایک گروہ	سے

اے ایمان والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا

قَوْمٍ	عَسٰٓى	اَنْ	يَّكُوْنُوْا	خَيْرًا	مِّنْهُمْ	وَلَا
دوسرا گروہ	ممکن ہے	کہ	وہ ہوں	بہتر	ان سے	اور نہ

ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق

نِّسَآءٌ	مِّنْ	نِّسَآءٍ	عَسٰٓى	اَنْ	يَّكُنَّ	خَيْرًا
عورتیں	سے	عورتیں	ممکن ہے	کہ	وہ عورتیں	بہتر

اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے

مِّنْهُنَّ	وَلَا	تَلْمِزُوْٓا	اَنْفُسَكُمْ	وَلَا	تَنَابَزُوْا	بِالْاَلْقَابِ
ان عورتوں سے	اور نہ	عیب لگاؤ	افراد تمہارے	اور نہ	ڈالو	ساتھ برے القاب

پر عیب نہ لگاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد

بِئْسَ	الِاسْمُ	الْفُسُوْقُ	بَعْدَ	الْاِيْمَانِ	وَمَنْ	لَّمْ
برا ہے	نام	گناہ	بعد	ایمان	اور جو	نہ

کرو اور جو لوگ باز نہ آئیں

يَتُبْ	فَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الظّٰلِمُوْنَ ۝
توبہ کی اس نے	پس وہ	وہ	ظالم

وہی ظالم ہیں۔

تشریح: اس آیت میں بعض ایسے خاص امور سے منع کیا جارہا ہے جو باہمی منافرت اور فساد و انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات درج ذیل ہیں:

مذاق اڑانے کی ممانعت: زیرِ نظر آیت کے شروع میں تمسخر اور تحقیر سے منع کیا جارہا ہے۔ دوسرے کا مذاق اڑانے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً اس کی گفتگو اور چال ڈھال وغیرہ کی نقل اتاری جائے، محفل میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا جائے کہ لوگ اس پر ہنسیں، اس کے کسی عیب یا نقص کا یوں ذکر کیا جائے کہ اس بنا پر اس کی تحقیر ہو، کسی کے کسی خاص قبیلے سے تعلق یا اس کی غربت اور پسماندگی کی بنا پر اس کی تضحیک کی جائے۔ الغرض ہر وہ چیز مذاق کے زمرے میں آتی ہے جس سے دوسرے کی تحقیر و تذلیل اور دل آزاری ہو، اور مسلمانوں کو ایسی ہر چیز سے روکا گیا ہے۔ اس ممانعت کے حوالے سے مردوں اور عورتوں کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں بالعموم مردوں اور عورتوں میں مذاق کی صورت کا امکان اپنے اپنے طبقوں میں ہوتا ہے۔ تاہم اس میں مردوں کے عورتوں اور عورتوں کے مردوں کا مذاق اڑانے کی ممانعت بھی خود بخود شامل ہے۔

طعنہ دینے اور عیب لگانے کی ممانعت: ولا تلمزو انفسکم کہہ کر طعنہ دینے اور عیب لگانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ طعنہ دینے اور عیب جوئی کرنے میں بھی دوسروں کی تحقیر و تضحیک مقصود ہوتی ہے جس کے نتیجے میں سوسائٹی میں نفرتیں اور دوریاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا یہ رویہ بھی مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں۔ مذکورہ الفاظ میں انفسکم سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ طعنے دینے والا گویا اپنے اوپر طعن کرتا ہے۔ کیونکہ جس پر وہ طعن کررہا ہے وہ اس کا مسلمان بھائی ہے، جس کی عیب جوئی اپنی ہی عیب جوئی ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ دوسرے کو طعنے دینے والا اور ان پر عیب لگانے والا یہ کام کرکے خود اپنے اوپر طعن کے در وا کرلیتا ہے اور اس کو بھی نشانہ طعن و تشنیع بنالیا جاتا ہے۔

ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرنے کی ممانعت: ولا تنا بزوا بالالقاب کے الفاظ سے اس بات کی ممانعت کردی گئی ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کریں۔ برے لقب سے یاد کرنے سے مراد کسی کو ایسے لقب سے پکارنا ہے جس سے اس کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہو، مثلاً کسی کو لنگڑا، لولا، اندھا، کانا یا منافق و فاسق وغیرہ کہنا یا کسی کو اس کے خاندان یا برادری کی نسبت سے کسی ایسے لقب سے ملقب کرنا جس جس سے اس کی تحقیر ہو یا کسی کو اس کے پرانے مذہب کی نسبت سے پکارنا مثلاً کسی یہودی یا نصرانی کے مسلمان ہوجانے کے بعد بھی اسے یہودی یا نصرانی کہہ کر پکارنا۔ اسلام نے برے القاب سے یاد کرنے سے سختی سے منع کیا ہے جبکہ اس کے برعکس اچھے القاب سے یاد کرنے کی حوصلہ افزائی

کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو صدیق کسی کو فاروق اور کسی کو اسد اللہ کے لقب سے ملقب کیا۔ البتہ مفسرین کے مطابق اگر کوئی لقب کسی شخص کی پہچان کا ذریعہ بن جائے تو اگرچہ وہ عام طور پر ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہو، اسے استعمال کرنا جائز ہے۔ مثلاً اعمش (چُندا) اَحْدَب (کبڑا) کہنا عام طور پر برا ہے لیکن اسماء الرجال میں محدثین نے پہچان کے لیے سلیمان الاعمش اور واصل الاحدب کہنا جائز رکھا ہے۔ ایسے ہی وہ القاب جو بظاہر تو اچھے نہ ہوں لیکن لاڈ پیار کی بنا پر رائج ہو جائیں اور ان سے مطلوب افراد کی تنقیص مقصود نہ ہو اور وہ خود بھی ان کو برا نہ سمجھیں بلکہ پسند کریں تو ان کا استعمال بھی ممنوع نہیں۔ مثلاً ابو ہریرہ (بلی کا باپ) وغیرہ۔ آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ جو لوگ مذکورہ برے امور سے نہیں رکتے یا توبہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں۔

۱۰۔ (الحجرات: آیت 12)

يٰٓاَيُّهَا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوا	اجْتَنِبُوْا	كَثِيْرًا	مِّنَ	الظَّنِّ
اے	جو	ایمان لائے	بچو	بہت	سے	گمان

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ

اِنَّ	بَعْضَ	الظَّنِّ	اِثْمٌ	وَّلَا تَجَسَّسُوْا	وَلَا يَغْتَبْ	بَّعْضُكُمْ
بے شک	بعض	گمان	گناہ	اور نہ بھید ٹٹولو	اور نہ غیبت کرے	بعض تم میں سے

ہوتے ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

بَعْضًا	اَيُحِبُّ	اَحَدُكُمْ	اَنْ	يَّاْكُلَ	لَحْمَ
بعض	کیا چاہتا ہے	کوئی تم میں سے	کہ	وہ کھائے	گوشت

کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے!

اَخِيْهِ	مَيْتًا	فَكَرِهْتُمُوْهُ	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ
بھائی اس کا	مردہ	پس گھن آئی تم کو اس سے	اور ڈرو	اللہ سے

پس اس سے تو تم کو گھن آتی ہے، اور اللہ سے ڈرو،

اِنَّ	اللّٰهَ	تَوَّابٌ	رَّحِيْمٌ
بے شک	اللہ	توبہ قبول کرنے والا	رحم کرنے والا

بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے، رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں بہت سے گمانوں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور راز ٹٹولنے اور غیبت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات حسب ذیل ہیں:

بہت زیادہ گمان کرنے سے پرہیز: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بہت زیادہ گمان کرنے سے پرہیز کرو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ گویا مطلق گمان کرنے سے نہیں روکا جا رہا، بہت گمان کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ گمان کی چونکہ متعدد صورتیں ہیں اور بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز، اس لیے ایک مومن کو احتیاط برتنی چاہیے کہ کہیں وہ ناجائز اور ناپسندیدہ گمان کی پیروی نہ کرنے لگے۔ ہر کسی سے بلا سبب بدگمانی رکھنا، ہر کسی کی نیت پر شبہ کرنا، کسی کے اچھے کام کو بغیر کسی معقول وجہ کے برائی پر محمول کرنا وغیرہ بدظنی کی ایسی شکلیں ہیں جو آدمی کے اندر چھپے ہوئے بغض و حسد پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسا شخص درحقیقت متکبر اور خود پسند ہوتا ہے، اسے اپنے علاوہ کہیں کوئی خوبی اور اچھائی نظر نہیں آتی۔ ایک سچا مومن ایسا حاسدانہ اور متکبرانہ رویہ کبھی نہیں اپنا سکتا۔ تاہم از روئے شریعت ہر معاملے میں اور ہر وقت حسن ظن ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ بعض صورتوں میں حسن ظن نقصان دہ اور سادہ لوحی کی علامت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ایسا شخص یا گروہ جس کی عام شہرت دھوکے بازی کی ہو اور اس کا کردار و عمل اس سے حسنِ ظن میں مانع ہو تو احتیاط کا تقاضا ہے کہ اس سے حسنِ ظن نہ رکھا جائے۔ لیکن یہ بدگمانی صرف خود کو اس کے شر سے بچانے کی غرض سے بر بنائے احتیاط ہو گی اس کے خلاف محض اس بنا پر کوئی اقدام جائز نہ ہو گا۔ ایسے ہی ایک حاکم اور جج فریقین کے مقدمہ کی سماعت کرتے وقت بھی خوش گمانی سے کام نہیں لے سکتا۔ ایسی صورتوں کے علاوہ، جن میں بدگمانی کی معقول وجوہ موجود ہوتی ہیں، عام طور پر بدگمانی سے بچنا چاہیے اور حسنِ ظن کا رویہ اپنانا چاہیے۔

بھید ٹٹولنے کی ممانعت: بہت سے گمانوں سے بچنے کی تلقین کے بعد بھید ٹٹولنے سے منع کیا گیا ہے۔ دوسروں کے نجی معاملات کی ٹوہ لگانا، ان کے چھپے ہوئے عیوب اور کمزوریوں کو تلاش کرنا، ان کے گھروں میں جھانکنا اور ان کے ذاتی و خانگی معاملات کو کریدنا، بہت بڑی بداخلاقی ہے۔ اسلام، جو انتہائی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا پرچارک ہے، اس نے اپنے ماننے والوں کو صرف لوگوں کے عیوب ٹٹولنے سے ہی نہیں روکا بلکہ اگر کسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اس پر پردہ ڈالنے کی بھی پرزور تاکید کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے کسی شخص کے مخفی عیب کو چھپائے رکھا، اس نے گویا زندہ گاڑی ہوئی بچی کو موت سے بچالیا۔ ایک اور حدیث کے مطابق جو شخص کسی بھائی کی عدم موجودگی میں اس

کی عزت کا دفاع کرتا ہے، اللہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کی حفاظت فرماتا ہے۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجسس اور کھوج و کرید سے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: مسلمانوں کے پوشیدہ عیوب ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو، جو شخص مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور جس کے عیوب کے اللہ تعالیٰ درپے ہو جائے، اسے وہ اس کے گھر میں رسوا کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد) تجسس کی بعض صورتیں البتہ اس ممانعت کے دائرے میں نہیں آتیں، مثلاً حکومت کا دشمن کے شر سے بچنے کے لیے اس کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا یا کسی شخص سے کوئی معاملہ کرنے کی غرض سے اس کے کیریکٹر سے متعلق معلومات کا حصول۔

غیبت کی ممانعت و کراہت: زیر نظر آیت میں غیبت سے منع کیا گیا اور اسے انتہائی مکروہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تو تمہیں کراہت آتی ہے، پس اللہ ڈرو۔ غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دینے کی کئی حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ بھائی کا غیر موجود ہونا اس کی موت کی طرح ہے اور اس کی تحقیر و تذلیل اس کا گوشت کھانے کے مشابہ ہے۔ دوسری یہ کہ جس بھائی کی غیبت کی جا رہی ہے، وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا، جس سے باہمی نفرت بڑھتی اور دشمنی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ تیسری یہ کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کاٹا جائے تو اسے خبر نہیں ہوتی اسی طرح جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ بھی اس سے بے خبر ہوتا ہے، مگر جس جس گوشت کاٹنے سے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح جس کی غیبت کی گئی ہو، اسے بھی جب اس غیبت کا پتہ چلتا ہے تو اس کے دل کو زخم لگتا ہے، چوتھی یہ کہ جس طرح مردہ بھائی کا گوشت کھانا نہایت بری بات ہے اور اس سے آدمی کو سخت کراہت آتی ہے، ایسے ہی غیبت بھی نہایت بری بات ہے، اس سے بھی ایسی ہی کراہت آنی چاہیے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اقوال سے بھی غیبت کا انتہائی مکروہ اور شنیع فعل ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس سے بچنے کی تعلیم ملتی ہے۔ روایات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے دوران کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور ان ناخنوں سے وہ اپنے چہرے اور بدن نوچ رہے تھے۔ آپ نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے (یعنی ان کی غیبت کیا کرتے) تھے۔ ایک حدیث میں ہے: غیبت بدکاری سے بھی بڑا گناہ ہے۔ ایک موقع پر فرمایا: غیبت کو سن کر خوش ہونا یا خاموش رہنا جائز نہیں بلکہ آدمی کو چاہیے کہ جس بھائی کی غیبت کی جا رہی ہو اس کا دفاع کرے۔ جو اپنے بھائی کے گوشت کا دفاع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا

آگ سے دفاع کرے گا۔ غیبت زبان ہی سے نہیں اشارے کنائے سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک پستہ قامت خاتون ہمارے گھر آئی۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے اشارے سے کہا: اس کا قد کتنا چھوٹا ہے! حضور نے فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی، اس سے معافی مانگو۔

۱۱۔ (الحجرات: آیت 13)

يٰاَيُّهَا	النَّاسُ	اِنَّا	خَلَقْنٰكُمْ	مِّنْ	ذَكَرٍ
اے	لوگو	بے شک ہم نے	پیدا کیا ہم نے تم کو	سے	ایک مرد

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا

وَّاُنْثٰى	وَجَعَلْنٰكُمْ	شُعُوْبًا	وَّقَبَآئِلَ	لِتَعَارَفُوْا
اور ایک عورت	اور بنایا ہم نے تم کو	قومیں	اور قبیلے	تا کہ تم باہم شناخت کرو

اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔

اِنَّ	اَكْرَمَكُمْ	عِنْدَ اللّٰهِ	اَتْقٰكُمْ	اِنَّ
بے شک	سب سے عزت والا تمہارا	نزدیک اللہ کے	سب سے پرہیزگار تمہارا	بے شک

بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار

اللّٰهَ	عَلِيْمٌ	خَبِيْرٌ ۝
اللہ	علم والا	باخبر

ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صاحبِ علم، باخبر ہے۔

تشریح: اس آیت میں تقویٰ اور نیکی کو معیارِ عظمت ٹھہرایا گیا ہے۔ اس آیت کے اہم تشریحی نکات درج ذیل ہیں:

تمام انسان مساوی ہیں، معیارِ عظمت صرف تقویٰ ہے اور یہ نہایت ہی عقلی و منطقی بات ہے:

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو عزت کا معیار قرار دے کر عزت و عظمت کے ان تمام مصنوعی معیارات کو مسترد کر دیا ہے، جو انسان رنگ و نسل اور قوم و وطن وغیرہ کی بنیادوں پر قائم کرتا رہا ہے۔ آیت کے مذکورہ حصہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے انسانو ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہارے کنبے اور قبیلے محض اس لیے بنائے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ لہٰذا کسی کا قبیلہ یا خاندان یا رنگ یا نسل کسی انسان کو بڑا یا چھوٹا قرار دینے

کا کوئی معیار نہیں ہے۔ یہ معیار تو جب ہوتا جب مختلف خاندانوں اور قبیلوں اور نسلوں اور برادریوں کے لوگ مختلف جوڑوں سے، مختلف طریق پیدائش سے یا مختلف قسم کے مادہ تخلیق سے بنے ہوتے۔ لیکن ایسی تو کوئی بات ہی نہیں۔ تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ ایک ہی طریق پیدائش پر اور ایک ہی قسم کے مادہ تخلیق سے وجود میں آئے ہو۔ ہاں جب تمہاری نسل پھیلی تو اس سے رفتہ رفتہ کئی خاندان اور قبیلے بن جانا، مختلف علاقوں میں پھیل جانا اور رنگ اور زبان وغیرہ کا اختلاف ہو جانا تو ایک فطری سی بات تھی۔ یہ فطری فرق و اختلاف تمہارے تعارف اور پہچان کا ذریعہ تو ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے فی الواقع تمہارے اندر اعلیٰ و ادنیٰ اور شریف و کمین کی تقسیم کیسے ہو سکتی ہے؟ کوئی عرب میں پیدا ہو گیا کوئی عجم میں، کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں، کوئی گوروں کے ہاں کوئی کالوں کے ہاں۔ ظاہر ہے کہ اس میں پیدا ہونے والا بے اختیار ہے۔ کسی خاص جگہ پیدا ہونے میں اس کا کوئی کمال ہے نہ قصور۔ اس بے اختیاری کی بنا پر تم کس دلیل سے کسی کو اعلیٰ یا ادنیٰ قرار دے سکتے ہو؟ ہاں جب وہ پلے بڑھے گا۔ اسے اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے استعمال کا موقع ملے گا۔ وہ دنیا میں اپنی مرضی کا کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائے گا، تو ہی یہ فیصلہ ہونا چاہیے کہ اس نے اپنے اختیار عمل سے کون سا عمل کیا؟ اب اگر اس کے عمل اچھے ہیں تو اسے قابل عزت ورنہ قابل عزت نہیں ہونا چاہیے۔ یہ وہ حقیقت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے نہایت بلیغ انداز میں زیر نظر آیت میں پیش فرمائی ہے۔ (یہ آیت مساوات انسانی کا عظیم درس ہے۔ مساوات انسانی کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کی تفصیل تشکیل اجتماعیت و معاشرت اور اسوہ حسنہ کے ذیل میں بعنوان "مساوات" ملاحظہ فرمائیں)

۱۲۔ (الحجرات: آیت 14)

قَالَتِ	الْاَعْرَابُ	اٰمَنَّا	قُلْ	لَمْ	تُؤْمِنُوْا
کہا	بدویوں نے	ایمان لا۔۔۔	آپ فرمایے	نہیں	تم ایمان لائے

یہ دیہاتی عرب کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ (اے نبی) آپ فرمایے تم ایمان

وَلٰكِنْ	قُوْلُوْٓا	اَسْلَمْنَا	وَلَمَّا	يَدْخُلِ	الْاِيْمَانُ
اور لیکن	کہو تم	مطیع ہوئے ہم	اور ابھی نہیں	داخل ہوا	ایمان

نہیں لائے ہو، بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے اور ایمان ابھی

فِيْ	قُلُوْبِكُمْ	وَاِنْ	تُطِيْعُوا	اللّٰهَ	وَرَسُوْلَهٗ
میں	دل تمہارے	اور اگر	تم اطاعت کرو	اللہ	اور رسول اس کا

تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول

لا	يَلِتْكُمْ	مِنْ	اَعْمَالِكُمْ	شَيْئًا	اِنَّ
نہیں	کمی کرے گا تمہارے	سے	اعمال تمہارے	کچھ	یقیناً

کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہ کرے گا یقیناً

اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ ○
اللہ	بخشنے والا	مہربان

اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں بعض دیہاتی عربوں یا بدویوں کے کھوکھلے دعویٰ ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں اللہ اور رسول کی اطاعت پر دل و جان سے آمادہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات درج ذیل ہیں:

شانِ نزول: بعض دیہاتی عرب قبائل نے ہوا کا رخ دیکھ کر کلمہ تو پڑھ لیا تھا لیکن ان کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا۔ روایات کے مطابق جُہینہ اور بنی اسد بن خُزیمہ وغیرہ قبائل اسلام کے پھیلاؤ اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے اور آپ سے طرح طرح کے مطالبات کرتے تھے۔ ایک دفعہ بعض بدوی قحط کے زمانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مالی مدد کا مطالبہ کیا۔ کہنے لگے کہ فلاں فلاں قبائل نے تو آپ سے جنگ کی لیکن ہم لڑے بھڑے بغیر ایمان لے آئے۔ مطلوب یہ تھا کہ ہم نے اسلام قبول کر کے آپ پر احسان کیا ہے لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ ہماری مالی مدد کریں۔ اللہ نے ان کی باطنی حالت کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ آپ پر اپنے ایمان کا احسان جتلاتے پھرتے ہیں حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ یہ صرف مطیع ہوئے ہیں اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔

ایمان اور اسلام: زیرِ نظر آیت میں بدویوں کے دعویٰ ایمان کے حوالے سے فرمایا گیا کہ یہ محض دعویٰ ہی ہے اور درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے بلکہ اس کا اعلان کر کے مسلمانوں کے حلقہ میں داخل ہوئے ہیں۔ **قل لم تومنوا ولکن قولو اسلمنا** کے حوالے سے بعض لوگ ایمان اور اسلام کو الگ الگ قرار دیتے ہیں کہ ان کے مطابق ظاہراً اسلام کا اقرار کرنے والا مسلم جبکہ سچے دل سے ایمان لانے والا مومن ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اسلام کا ظاہر سے۔ اسلامی عقائد کو دل سے ماننا ایمان ہے اور ارکانِ اسلام پر عمل اسلام۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ از روئے شریعت ایمان اور اسلام کو الگ الگ کرنا ممکن نہیں۔ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں ایمان اور اسلام اور مومن اور مسلم مترادف الفاظ قرار پاتے ہیں اور ان کے درمیان تفریق غیر حقیقی ٹھہرتی ہے۔ رہی یہ بات کہ زیرِ نظر آیت

میں ان کو الگ الگ کیوں ذکر کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ بدوی محض اوپر اوپر سے اسلام وایمان کا اقرار کررہے ہیں۔ فی الواقع وہ مسلم اور مومن نہیں۔ **ولما یدخل الایمان فی قلوبکم** کے الفاظ صاف بتارہے ہیں کہ وہ دراصل ابھی مسلمان ہوئے ہی نہیں کیونکہ حقیقی مسلمان تو وہی ہے جس کے دل میں ایمان راسخ ہوگیا ہو۔ جس کے دل میں ایمان اترا ہی نہیں اور پھر وہ اسلام کا دعویدار بھی ہے تو وہ فی الاصل منافق ہے۔ اسلام کے حوالے سے اس کی پوزیشن اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اسلام کا اعلان کر کے مسلمانوں کے حلقے میں شامل ہوگیا ہے۔

صدقِ دل سے اطاعت سے سابقہ غلطیاں معاف ہو جائیں گی: دیہاتی عربوں کو اس بات کہ احساس دلوانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی حالات سے پوری طرح واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان کا دعویٰ ایمان مادی و دنیوی مفادات کی خاطر ہے، اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ پر لوگوں کا ظاہر و باطن عیاں ہے، وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے، کسی کا کوئی گناہ کتنا بھی چھپا ہوا ہو، اس سے نہیں چھپ سکتا لیکن وہ غفور رحیم ہے جو شخص صدقِ دل سے اس کی اور اس کے نبی کی اطاعت اختیار کر لے وہ نہ صرف اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیتا ہے بلکہ اس کے ان ظاہری اعمال کا بھی اجر عطا کر دیتا ہے، جو خلوصِ نیت پر مبنی نہیں تھے۔ چنانچہ یہ لوگ جو غلط طور پر ایمان کے دعویدار ہیں اور خواہ مخواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ایمان کا احسان رکھ رہے ہیں جان لیں کہ ان کے ایمان و اسلام کی ابھی تک خدا کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ ہاں اگر وہ واقعی اطاعت اختیار کر لیں تو اللہ کے خصوصی کرم سے وہ ایسی کامیابی حاصل کریں گے کہ ان کے سابقہ کھوکھلے اعمال بھی بارآور ہو جائیں گے۔

۱۳۔ (الحجرات: آیت 15)

اِنَّمَا	الْمُؤْمِنُوْنَ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	بِاللّٰهِ	وَرَسُوْلِهٖ
بے شک	مومن	جو	ایمان لائے	ساتھ اللہ	اور رسول اس کا

بے شک مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک

ثُمَّ	لَمْ	يَرْتَابُوْا	وَجٰهَدُوْا	بِاَمْوَالِهِمْ	وَاَنْفُسِهِمْ
پھر	نہیں	وہ شک میں پڑے	اور جہاد کیا انہوں نے	ساتھ اموال ان کی	اور جانیں ان کی

میں نہ پڑے اور اپنی جانوں اور مالوں سے

فِيْ	سَبِيْلِ	اللّٰهِ	اُولٰٓئِكَ	هُمُ	الصّٰدِقُوْنَ ۝
میں	راہ	اللہ کی	یہی لوگ	وہ	سچے ہیں

اللہ کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں سچے مومن کی بعض ان نمایاں صفات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے حوالے سے کسی شخص کے دعویٰ ایمان کی حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس آیت کے اہم تفسیری نکات درج ذیل ہیں:

مومن دل و جان سے اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور شک میں نہیں پڑتے: پچھلی آیت میں یہ بات واضح کی گئی تھی کہ یہ بدوی جو آپ پر اپنے اسلام قبول کرنے کا احسان دھرتے ہیں، یہ درحقیقت مسلمان ہوئے ہی نہیں۔ ان کے دل ایمان سے یکسر خالی ہیں۔ یہ محض دنیوی و مادی فوائد کے لیے اللہ اور رسول پر ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہے ہیں۔ زیرِ نظر آیت میں واضح کیا جا رہا ہے کہ سچے مسلمان تو وہ ہیں جو دل و جان سے اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہیں اور پھر اس سلسلہ میں کسی شک میں مبتلا نہیں ہوتے۔ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی و مادی مفادات کی خاطر نہیں بلکہ اللہ اور رسول کو حق جان کر ایمان لاتے ہیں۔ یہ منافقانہ روش اپنانے والے بدوی اگر واقعی مسلمان اور مومن شمار ہونا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ ان سچے مومنین کی طرح دل و جان سے اور بغیر کسی دنیوی لالچ کے اللہ اور رسول پر ایمان لائیں اور اس سلسلہ میں کسی شک و تردد میں مبتلا نہ ہوں۔

مومن اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں: جان اور مال اس دنیا میں عزیز ترین چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ سچے مومن وہ ہیں جو ان قیمتی چیزوں کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ گویا ایک نہایت اہم چیز جو لوگوں کے ایمان یا نفاق کو واضح کرتی ہے وہ اللہ کی راہ میں جانوں اور مالوں کی قربانی کے موقع پر ان کا رویہ ہے۔ منافق لوگ ایسے موقع پر اللہ اور رسول کے مقابلہ میں اپنی جان و مال کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ سچے مومن اپنی جان و مال لٹانے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ لہٰذا جو لوگ ایمان کے دعوے تو کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں شک اور تردد ہے، اللہ اور رسول کو محض دنیاوی مفادات کی عینک سے دیکھتے ہیں، ان کے دعویٰ ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ کہاں منافقوں کا جھوٹا دعویٰ ایمان اور کہاں سچے مومنوں کا پختہ و پکا ایمان؟

ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

۱۴۔ (الحجرات: آیت 16)

قُلْ	اَتُعَلِّمُوْنَ	اللّٰهَ	بِدِيْنِكُمْ	وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ
آپ فرمایئے	کیا تم اطلاع دیتے ہو	اللہ کو	دین تمہارا	اور اللہ	جانتا ہے

آپ فرمایئے: کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دیتے ہو اور اللہ جانتا ہے

مَا	فِی	السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِی	الْاَرْضِ
جو	میں	آسمانوں	اور جو	میں	زمین

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَاللّٰهُ	بِكُلِّ	شَیْءٍ	عَلِیْمٌ ○
اور اللہ	ساتھ ہر	چیز	علم والا

اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

تشریح:

اللہ کو اپنا دین بتانے کی ضرورت نہیں: منافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود اللہ اور رسول سے اظہارِ محبت وعقیدت نہ ہوتا تھا بلکہ خود کو مسلمان باور کرا کے مالِ غنیمت وغیرہ میں سے اپنے حصے کا مطالبہ ہوتا تھا۔ ایک سچا مومن تو اللہ اور رسول سے اپنی بے لوث محبت وعقیدت اور اطاعت کے رویہ ہی سے آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اس کو بڑھ چڑھ کر اپنے ایمان لانے کے دعووں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس کے برعکس منافق کے چونکہ دل میں چور ہوتا ہے اس لیے اسے اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں میرا نفاق کھل نہ جائے اور میری کسی حرکت سے میرے جھوٹے ایمان کی حقیقت سامنے نہ آ جائے۔ چنانچہ وہ بڑھ چڑھ کر اور چرب زبانی سے کام لے کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے ایمان کی یوں اطلاع دے رہے ہیں جیسے ان کے ایمان کی سچائی ان کی اطلاع پر موقوف ہو۔ ان نادانوں کو یہ نہیں پتہ کیا اللہ کی ذات تو وہ ہے جس پر آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے سو وہ خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بک رہے ہیں۔ ان کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے۔

۱۵۔ (الحجرات: آیات 17-18)

یَمُنُّوْنَ	عَلَیْکَ	اَنْ	اَسْلَمُوْا	قُلْ	لَّا تَمُنُّوْا
وہ احسان جتلاتے ہیں	اوپر آپ	کہ	وہ اسلام لائے	آپ فرمایے	نہ احسان جتلاؤ تم

وہ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ فرمایے:

عَلَیَّ	اِسْلَامَکُمْ	بَلِ	اللّٰهُ	یَمُنُّ	عَلَیْکُمْ
اوپر میرے	اسلام لانا تمہارا	بلکہ	اللہ	احسان رکھتا ہے	اوپر تمہارے

مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے

اَنْ	هَدٰكُمْ	لِلْاِيْمَانِ	اِنْ	كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ۝
کہ	ہدایت دی تم کو	لیے ایمان	اگر	ہو تم	سچے

کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔

اِنَّ	اللّٰهَ	يَعْلَمُ	غَيْبَ	السَّمٰوٰتِ	وَالْاَرْضِ
یقیناً	اللہ	جانتا	غیب	آسمانوں	اور زمین

یقیناً اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے غیب

وَاللّٰهُ	بَصِيْرٌ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ ۝
اور اللہ	دیکھنے والا	ساتھ جو	تم کرتے ہو

اور اللہ (وہ سب کچھ) دیکھ رہا ہے، جو تم کرتے ہو۔

تشریح: وہ بدو عرب جو دنیاوی مفادات کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان دھرتے کہ دوسرے قبائل آپ سے برسرپیکار ہیں۔ جبکہ ہم لڑے بھڑے بغیر اسلام لے آئے ہیں۔ گویا ہم نے آپ پر احسان کیا ہے اور آپ کو اس کا بدلہ چکانے کے لیے ہماری مالی مدد کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ ان سے فرمایئے کہ ایمان تو درحقیقت اللہ کا ان لوگوں پر احسان ہے، جن کو اس نے ایمان کی توفیق دی۔ ان آیات کے تفسیری نکات درج ذیل ہیں:

ایمان حضور پر نہیں اپنے اوپر احسان ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھ رہے ہیں۔ گویا ان کا خیال ہے کہ ہم یوں آپ کو دباؤ میں لا کر اپنے مطالبات منوالیں گے اور کسی کو ہمارے باطن کی خبر نہ ہو گی۔ ہرگز نہیں۔ انہیں خبردار کر دیجیے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم دراصل ایمان لائے ہی نہیں محض دنیوی مال ومتاع اور اپنے برے انجام سے بچنے کے لیے اسلام لانے کا اعلان کر رہے ہو اور دوسری بات یہ کہ اسلام لانا بجائے خود بھی آپ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ لوگوں کے ایمان لانے سے آپ کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ یہ چیز دنیا و آخرت ہر دو جہاں میں ایمان لانے والے کے مفاد میں ہے۔ یوں ایمان لانے والا حضور پر نہیں اپنے اوپر احسان کرتا ہے۔

ایمان کی توفیق اللہ کا احسان ہے: ایمان کے سلسلہ میں اگر احسان ہے تو وہ صاحبانِ ایمان کا اللہ یا اس کے رسول پر احسان نہیں بلکہ اللہ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے انہیں ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔ جو سچے مومن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے اور اس کا احسان مانتے ہوئے نہیں تھکتے۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان اللہ کا ان پر اتنا بڑا فضل و احسان ہے کہ وہ اس کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتے۔ تو یہ لوگ بھی اگر اپنے دعویٰ ایمان میں سچے

ہوتے اور ان کے دلوں میں ایمان ہوتا تو یہ آپ پر احسان رکھنے کی بجائے اللہ کا احسان مانتے کہ اس نے ان کو ایمان کی توفیق اور اپنے نبی کی اطاعت کی دولت نصیب کر کے دنیا و آخرت میں کامیابی کی راہ پر لگا دیا۔

اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں: آخر میں فرمایا گیا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے دل میں نفاق رکھ کر اپنے مفادات کے حصول کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا پھرے، تو محض اس کے اسلام اسلام کی رَٹ لگانے سے کسی کو اس کی اصلیت کی خبر نہ ہوگی۔ اللہ کی ذات پر آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اس کو انسانوں کی نیتوں اور ان کے اعمال کی پوری خبر ہے۔ کوئی شخص کوئی عمل چھپ کر کرے یا ظاہر، وہ ہر ایک کا ریکارڈ رکھ رہا ہے۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کا سامنا کرنا ہے۔